تقریر بابت مسیح موعودؑ
وقت 5-7 منٹ

❁❁❁ تقریر ❁❁❁

حضرت مسیح موعودؑ کی احبابِ جماعت کو نصائح

(از ملفوظات جلد اوّل ایڈیشن 1984ء)

(تقریر نمبر3)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى (الحج:38)

یعنی ہر گز اللہ تک نہ اُن کے گوشت پہنچیں گے اور اُن کے خون لیکن تمہارا تقویٰ اُس تک پہنچے گا۔

وہ خدا میرا جو ہے جو ہر شناس
اِک جہاں کو لا رہا ہے میرے پاس

سامعین کرام! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے افاضات اور فرمودات پر مشتمل ملفوظات پر دس جلدیں زیر مطالعہ رہتی ہیں۔ اِن میں اپنی ذاتی اصلاح اور احبابِ جماعت کی تعلیم وتربیت اور اصلاحِ احوال کے لئے بہت قیمتی نصائح مل جاتی ہیں۔ اِن کو پڑھ کر خیال گزرا کہ کیوں نہ آپؑ کی اہم اور مفید نصائح کو افادہ عام کے لئے تقاریر کی صورت میں جمع کر دیا جائے۔ سو آج ملفوظات جلد اوّل ایڈیشن 1984ء سے چند اہم اور قیمتی نصائح قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔ یہ اِس سلسلہ کی تقریر نمبر 3 ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس زمانہ کی سب سے بڑی عبادت تبلیغی و اصلاحی جہاد کو قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اِس زمانہ کے درمیان میں جو فتنہ اسلام پر پڑا ہوا ہے اُس کے دُور کرنے میں کچھ حصہ لے۔ بڑی عبادت یہی ہے کہ اِس فتنہ کو دُور کرنے میں ہر ایک مسلمان کچھ نہ کچھ حصہ لے۔ اِس وقت جو بدیاں اور گُستاخیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ چاہیے کہ اپنی تقریر اور عِلم کے ذریعہ سے اور ہر ایک قوت کے ساتھ جو اس کو دی گئی ہے۔ مخلصانہ کوشش کے ساتھ ان باتوں کو دنیا سے اُٹھاوے۔ اگر اِسی دُنیا میں کسی کو آرام اور لذّت مل گئی تو کیا فائدہ؟۔ اگر دُنیا میں بھی درجہ پالیا تو کیا حاصِل؟۔ عُقبیٰ کا ثواب لو جس کی انتہا نہیں۔ ہر ایک مسلمان کو خدا تعالیٰ کی توحید و تفرید کے لئے ایسا جوش ہونا چاہئے جیسا کہ خود اللہ کو اپنی توحید کا جوش ہے۔ غور کرو کہ دنیا میں اِس طرح کا مظلوم کہاں ملے گا جیسا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کوئی گند اور گالی اور دُشنام نہیں جو آپؐ کی طرف نہ پھینکی گئی ہو۔ کیا یہ وقت ہے کہ مسلمان خاموش ہو کر بیٹھ رہیں؟ اگر اِس وقت کوئی شخص کھڑا نہیں ہوتا اور حق کی گواہی دے کر جھوٹے کے مُنہ کو بند نہیں کرتا اور جائز رکھتا ہے کہ کافِر لوگ بے حیائی سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتہام لگاتے جائیں اور لوگوں کو گمراہ کرتے جائیں تو یاد رکھو کہ وہ بے شک بڑی باز پُرس کے نیچے ہے۔ چاہئے کہ جو کچھ عِلم اور واقفیت تمہیں حاصل ہے وُہ اِس راہ میں خرچ کرو اور لوگوں کو اِس مصیبت سے بچاؤ۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ اگر تم دجّال کو نہ مارو تب بھی وہ تو مر ہی جائے گا مثل مشہور ہے۔ ہر کمالے رازوالے۔ تیرھویں صدی سے یہ آفتیں شروع ہوئیں اور اب وقت قریب ہے کہ اُس کا خاتمہ ہو جائے۔ اس لئے ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جہاں تک ہو سکے پُوری کوشش کرے نُور اور روشنی لوگوں کو دکھائے۔“

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 394-395)

سامعین! آپؑ نماز میں تسبیح کہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے نُصحاً فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک ولی اللہ اور صاحبِ برکات وُہی شخص ہے جس کو یہ جوش حاصِل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اُس کا جلال ظاہر ہو۔ نماز میں جو سبحان ربّی العظیم اور سُبحان ربّی الاعلیٰ کہا جاتا ہے وُہ بھی خدا تعالیٰ کے جلال کے ظاہر ہونے کی تمنّا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عظمت ہو۔ جس کی نظیر نہ ہو۔ نماز میں تسبیح و تقدیس کرتے ہوئے یہی حالت ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے کہ طبعًا جوش کے ساتھ اپنے کاموں سے اور اپنی کوششوں سے دکھاوے کہ اُس کی عظمت کے بر خلاف کوئی شئے مجھ پر غالب نہیں آسکتی۔ یہ بڑی عبادت ہے۔ جو لوگ اس کی مرضی کے مطابق جوش رکھتے ہیں۔ وُہی مویّد کہلاتے ہیں اور وُہی برکتیں پاتے ہیں۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور تقدیس کے لئے جوش نہیں رکھتے۔ اُن کی نمازیں جُھوٹی ہیں اور اُن کے سجدے بے کار ہیں جب تک خدا تعالیٰ کے لئے جوش نہ ہو یہ سجدے صرف منتر جنتر ٹھہریں گے۔ جن کے ذریعہ سے یہ بہشت کو لینا چاہتا ہے۔ یاد رکھو! کوئی جسمانی بات جس کے ساتھ کیفیت نہ ہو فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو قربانی کے گوشت نہیں پہنچتے۔ ایسا ہی تمہارے رکوع اور سجود بھی نہیں پہنچتے۔ جب تک اُن کے ساتھ کیفیت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کیفیت کو چاہتا ہے اور اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اُس کی عزت اور عظمت کے لئے جوش رکھتے ہیں۔ جو لوگ اَیسا کرتے ہیں وہ ایک باریک راہ سے گزرتے ہیں اور کوئی دوسرا شخص اُن کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ جب تک کیفیت نہ ہو انسانی ترقی نہیں کر سکتا۔ گویا خدا تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ جب تک اُس کے لئے جوش نہ ہو کوئی لذّت نہیں دے گا۔“

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 395-396)

دعا کے واسطے قواعد اور قوانین کے حوالہ سے نصیحت کرتے ہوئے حضورؑ فرماتے ہیں:

”ایسا ہی دعا کے وسطے قواعد و قوانین مقرر ہیں یہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوئی اس کا باعث یہی ہے کہ وہ ان قواعد اور مراتب کا لحاظ نہیں رکھتے جو قبولیت دعا کے واسطے ضروری ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب ایک لانظیر اور بیش بہا خزانہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے اور ہم میں سے ہر ایک اس کو پاسکتا ہے اور لے سکتا ہے۔ کیونکہ یہ کبھی بھی جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو قادر خدا مان کر یہ تجویز کریں کہ جو کچھ اُس نے ہمارے سامنے رکھا ہے اور جو ہمیں دکھایا ہے یہ محض سراب اور دھوکا ہے۔ ایسا وہم بھی انسان کو ہلاکت کر سکتا ہے۔ نہیں! بلکہ ہر ایک اُس خزانہ کو لے سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی کمی نہیں۔ وہ ہر ایک کو یہ خزانے دے سکتا ہے پھر بھی اِس میں کمی نہیں آسکتی۔

غرض وہ تو ہم کو نبوت کے کمالات تک دینے کو تیار ہے۔ لیکن ہم اس کے لینے کی بھی سعی کریں۔ پس یاد رکھو کہ یہ شیطانی وسوسہ اور دھوکا ہے جو اس پیرایہ میں دیا جاتا ہے کہ دعا قبول نہیں ہوتی۔ اصل یہی ہے کہ وہ دعا قبولیت کے آداب اور اسباب سے خالی محض ہے۔ پھر آسمان کے دروازے اس کے لئے نہیں کھلتے۔ سُنو! قرآن شریف نے کیا کہا ہے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ اللہ تعالیٰ متقیوں کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ جو لوگ متقی نہیں ہیں۔ اُن کی دعائیں قبولیت کے لباس سے ننگی ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمانیت ان لوگوں کی پرورش میں اپنا کام کر رہی ہے۔

دعاؤں کی قبولیت کا فیض ان لوگوں کو ملتا ہے جو متقی ہوتے ہیں۔ اب مَیں بتاؤں گا کہ متقی کون ہوتے ہیں۔ مگر ابھی میں ایک اَور شُبہ کا ازالہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بعض لوگ جو متقی ہوتے ہیں۔ بظاہر اُن کی بعض دُعائیں اُن کے حساب منشا پُوری نہیں ہوتی ہیں یہ کیوں ہوتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اُن لوگوں کی کوئی بھی دُعا در حقیقت ضائع نہیں جاتی۔ لیکن چونکہ انسان عالم الغیب نہیں ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اس دُعا کے نتائج اُس کے حق میں کیا اثر پیدا کرنے والے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کمال شفقت اور مہربانی سے اس دُعا کو اپنے بندہ کے لئے اس صورت میں منتقل کر دیتا ہے جو اُس کے واسطے مفید اور نتیجہ خیز ہوتی ہے۔ جیسے ایک نادان بچہ سانپ کو ایک خوبصورت اور نرم شئے سمجھ کر پکڑنے کی جرأت کرے یا آگ کو روشن دیکھ کر اپنی ماں سے مانگ بیٹھے تو کیا یہ ممکن ہے کہ وُہ ماں خواہ وُہ کیسی ہی نادان بھی کیوں نہ ہو کبھی پسند کرے گی کہ اُس کا بچہ سانپ کو پکڑے یا اپنی خواہش کے موافق آگ کا ایک روشن کوئلہ اُس کے ہاتھ پر رکھ دے؟ ہر گز نہیں۔ کیونکہ وہ جانتی ہے کہ یہ اُس کی زندگی کو گزند پہنچائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب اور عالم الکُل ہے اور مہربان ماں سے بھی زیادہ رحیم کریم ہے اور ماں کے دل میں بھی یہ رافت اور محبت اُسی نے ڈالی ہے وہ کیونکر گوارا کر سکتا ہے کہ اگر اُس کا عزیز بندہ اپنی کمزوری اور غلطی اور ناواقفی کی وجہ سے کسی ایسی چیز کے لئے دُعا کر بیٹھے جو اُس کے حق میں مضرّت بخش ہے تو وہ اُس کو فی الفور منظور کر لے۔ نہیں! بلکہ وہ اس کو ردّ کر دیتا ہے اور اس کے بجائے اس سے بھی بہتر اُس کو عطا کرتا ہے اور وہ یقیناً سمجھ لیتا ہے کہ یہ میری فلاں دُعا کا اثر اور نتیجہ ہے۔ اپنی غلطی پر بھی اس کو اِطّلاع مِلتی ہے۔ غرض یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ متقیوں کی بھی بعض دُعائیں قبول نہیں ہوتی۔ نہیں! اُن کی تو ہر دُعا

قبول ہوتی ہے۔ ہاں! اگر وُہ اپنی کمزوری اور نادانی کی وجہ سے کوئی ایسی دُعا کر بیٹھیں جو اُن کے لئے عُمدہ نتائج پَیدا کرنے والی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اُس دُعا کے بدلہ میں اُن کو وُہ چیز عطا کرتا ہے جو اُن کی شئے مطلوبہ کا نِعم البَدل ہو۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 418-419)

تقویٰ اور زبان کا آپس میں تعلق۔ فرمایا:

"اِن ساری باتوں سے معلوم ہو گیا کہ سچّے تقویٰ کے بغیر کوئی راحت اور خوشی مِل ہی نہیں سکتی تو معلوم کرنا چاہیئے کہ تقویٰ کے بہت سے شعبے ہیں جو عنکبوت کے تاروں کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ تقویٰ تمام جوارح انسانی اور عقائد زبان اخلاق وغیرہ سے متعلق ہے۔ نازک ترین معاملہ زبان سے ہے۔ بسا اوقات تقویٰ کو دُور کر کے ایک بات کہتا ہے اور دل میں خوش ہو جاتا ہے کہ مَیں نے یُوں کہا اور ایسا کہا۔ حالانکہ وہ بات بُری ہوتی ہے۔ مجھے اِس پر ایک نقل یاد آئی ہے کہ ایک بزرگ کی کسی دُنیادار نے دعوت کی جب وہ بُزرگ کھانا کھانے کے لئے تشریف لے گئے تو اس متکبر دنیادار نے اپنے نوکر کو کہا کہ فلاں تھال لانا جو ہم پہلے حج میں لائے تھے اور پھر کہا دوسرا تھال بھی لانا جو دوسرے حج میں لائے تھے اور پھر کہا کہ تیسرے حج والا بھی لیتے آنا۔ اُس بزرگ نے فرمایا کہ تُو تو بہت ہی قابل رحم ہے۔ ان تین فقروں میں تُونے اپنے تین ہی حجّوں کا ستّیہ ناس کر دیا۔ تیرا مطلب اس سے صِرف یہ تھا کہ تو اِس امر کا اظہار کرے کہ تُو نے تین حج کئے ہیں۔ اس لئے خدا نے تعلیم دی ہے کہ زبان کو سنبھال کر رکھا جائے اور بے معنی، بے ہودہ، بے موقع غیر ضروری باتوں سے احتراز کیا جائے۔

دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کی تعلیم دی ہے۔ اب ممکن تھا کہ انسان اپنی قوّت پر بھروسہ کر لیتا اور خُدا سے دُور ہو جاتا۔ اس لئے ساتھ ہی اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کی تعلیم دے دی کہ یہ مت سمجھو کہ یہ عبادت جو مَیں کرتا ہوں اپنی قوّت اور طاقت سے کرتا ہوں۔ ہرگز نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی استعانت جب تک نہ ہو اور خود وُہ پاک ذات جب تک توفیق اور طاقت نہ دے۔ کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور پھر اِیَّاکَ اَعۡبُدُ یا اِیَّاکَ اَسۡتَعِیۡنُ نہیں کہا۔ اس لئے کہ اُس میں نفس کے تقدّم کی بُو آتی تھی اور یہ تقویٰ کے خِلاف ہے۔ تقویٰ والا کُل انسانوں کو لیتا ہے۔ زبان سے ہی انسان تقویٰ سے دُور چلا جاتا ہے۔ زبان سے تکبّر کر لیتا ہے اور زبان سے ہی فرعونی صفات آجاتی ہیں اور اسی زبان کی وجہ سے پوشیدہ اعمال کو ریاکاری سے بدل لیتا ہے اور زبان کا زیاں بہت جلد پیدا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص ناف کے نیچے کے عُضو اور زبان کو شرّ سے بچاتا ہے اس کی بہشت کا ذمّہ دار مَیں ہوں۔ حرامخوری اس قدر نقصان نہیں پہنچاتی جیسے قول زُور۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ حرام خوری اچھی چیز ہے۔ یہ سخت غلطی ہے۔ اگر کوئی ایسا سمجھے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جو اضطراراً سُور کھالے۔ تو یہ امر دیگر ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی زبان سے خنزیر کا فتویٰ دے دے تو وُہ اسلام سے دُور نکل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال ٹھہراتا ہے۔ غرض اس سے معلوم ہوا کہ زبان کا زیان خطرناک ہے۔ اس لئے متقی اپنی زبان کو بہت ہی قابُو میں رکھتا ہے۔ اس کے مُنہ سے کوئی ایسی بات نہیں نکلتی جو تقویٰ کے خلاف ہو۔ پس تم اپنی زبان پر حکومت کرو۔ نہ یہ کہ زبانیں تم پر حکومت کریں اور اناپ شناپ بولتے رہو۔ ہر ایک بات کہنے سے پہلے سوچ لو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت اُس کے کہنے میں کہاں تک ہے۔ جب تک یہ نہ سوچ لو مت بولو۔ ایسے بولنے سے جو شرارت کا باعث ہو اور فساد کا مُوجب ہو، نہ بولنا بہتر ہے۔ لیکن یہ بھی مومن کی شان سے بعید ہے کہ امر حق کے اظہار میں رُکے۔ اس وقت کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور خوف زبان کو نہ روکے۔ دیکھو! ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی نبوّت کا اعلان کیا تو اپنے پرائے سب کے سب دشمن ہو گئے۔ مگر آپؐ نے ایک دَم بھر کے لئے کبھی کِسی کی پَرواہ نہ کی۔ یہاں تک کہ جب ابُو طالب آپؐ کے چچا نے لوگوں کی شکائیتوں سے تنگ آکر کہا۔ اُس وقت بھی آپؐ نے صاف طور پر کہہ دیا کہ مَیں اِس کے اظہار سے نہیں رُک سکتا آپ کا اختیار ہے، میرا ساتھ دیں یا نہ دیں۔

پس زبان کو جیسے خدا تعالیٰ کی رضامندی کے خلاف کِسی بات کے کہنے سے روکنا ضروری ہے۔ اسی طرح امر حق کے اظہار کے لئے کھولنا لازمی امر ہے۔ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ (آلِ عمران:115)۔ مومنوں کی شان ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے سے پہلے ضروری ہوتا ہے کہ انسان اپنی عملی حالت ثابت کر دکھائے کہ وُہ اس قوت کو اپنے اندر رکھتا ہے کیونکہ اس سے پیشتر کہ وہ دوسروں پر اپنا اثر ڈالے اُس کو اپنی حالت اثر انداز بھی تو بنانی ضروری ہے۔ پس یاد رکھو کہ زبان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کبھی مت روکو۔ ہاں محل اور موقع کی شناخت بھی ضروری ہے اور انداز بیان ایسا ہونا چاہیئے جو نرم ہو اور سلامت اپنے اندر رکھتا ہو اور ایسا ہی تقویٰ کے خلاف بھی زبان کا کھولنا سخت گناہ ہے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 422-424)

پیارے بھائیو! ابدال بننے کے گُر اور طریق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"دیکھو! جس جس قدر انسان تبدیلی کرتا جاتا ہے۔ اُسی قدر وُہ ابدال کے زُمرہ میں داخل ہوتا جاتا ہے۔ حقائق قرآنی نہیں کُھلتے جب تک ابدال کے زُمرہ میں داخل نہ ہو۔ لوگوں نے ابدال کے معنے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے اور اپنے طور پر کچھ کا کچھ سمجھ لیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ابدال وُہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے اندر پاک تبدیلی کرتے ہیں اور اس تبدیلی کی وجہ سے اُن کے قلب گُناہ کی تاریکی اور زنگ سے صاف ہو جاتے ہیں۔ شیطان کی حکومت کا استیصال ہو کر اللہ تعالیٰ کا عرش ان کے دل پر ہوتا ہے۔ پھر وُہ رُوح القدس سے قوّت پاتے اور خدا تعالیٰ سے فیض پاتے ہیں۔ تم لوگوں کو مَیں بشارت دیتا ہوں کہ تم میں سے جو اپنے اندر تبدیلی کرے گا وُہ ابدال ہے۔ انسان اگر خُدا کی طرف قدم اُٹھائے تو اللہ تعالیٰ کا فضل دَوڑ کر اُس کی دستگیری کرتا ہے۔ یہ سچّی بات ہے اور مَیں تمہیں بتاتا ہوں کہ چالاکی سے علُوم القرآن نہیں آتے۔ دماغی قوّت اور ذہنی ترقی قرآنی علوم کو جذب کرنے کا اکیلا باعث نہیں ہو سکتا۔ اصل ذریعہ تقویٰ ہی ہے۔ متقی کا معلّم خدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبیوں پر اُمّیت غالب ہوتی ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اِسی لئے اُمّی بھیجا گیا اور باوجودیکہ آپؐ نے نہ کسی مکتب میں تعلیم پائی اور نہ کِسی کو اُستاد بنایا۔ پھر آپؐ نے وہ معارف اور حقائق بیان کئے۔ جنھوں نے دنیوی علُوم کے ماہروں کو دنگ اور حیران کر دیا۔ قرآنِ شریف جیسی پاک، کامل کتاب آپؐ کے لبوں پر جاری ہوئی۔ جس کی فصاحت و بلاغت نے سارے عرب کو خاموش کرا دیا۔ وہ کیا بات تھی جس کے سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علُوم میں سب سے بڑھ گئے۔ وہ تقویٰ ہی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مطہّر زندگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ قرآنِ شریف جیسی کتاب وُہ لائے جس کے علوم نے دُنیا کو حیران کر دیا۔ آپؐ کا اُمّی ہونا ایک نمونہ اور دلیل ہے اس امر کی کہ قرآنی علوم یا آسمانی علوم کے لئے تقویٰ مطلوب ہے نہ دنیوی چالاکیاں۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 427-428)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآن کریم کی اصل غرض وغایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"غرض قرآن شریف کی اصل غرض اور غایت دُنیا کو تقویٰ کی تعلیم دینا ہے جس کے ذریعہ وہ ہدایت کے منشاء کو حاصِل کر سکے۔ اب اس آیت میں تقویٰ کے تین مراتب کو بیان کیا ہے۔ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں۔ مگر طوطے کی طرح سے یُونہی بغیر سوچے سمجھے چلے جاتے ہیں۔ جیسے ایک پنڈت اپنی پوتھی کو اندھا دُھند پڑھتا جاتا ہے۔ نہ خود سمجھتا ہے اور نہ سُننے والوں کو پتہ لگتا ہے۔ اِسی طرح پر قرآن شریف کی تلاوت کا طریق صرف یہ رہ گیا ہے کہ دو چار سپارے پڑھ لئے اور کچھ معلوم نہیں کہ کیا پڑھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ سُر لگا کر پڑھ لیا۔ اور ق اور ع کو پُورے طور پر ادا کر دیا۔ قرآن شریف کو عمدہ طور پر اور خوش الحانی سے پڑھنا یہ بھی ایک اچھی بات ہے۔ مگر قرآن شریف کی تلاوت کی اصل غرض تو یہ ہے کہ اُس کے حقائق اور معارف پر اطلاع ملے اور انسان ایک تبدیلی اپنے اندر کرے۔ یہ یاد رکھو کہ قرآن شریف میں ایک عجیب و غریب اور سچا فلسفہ ہے۔ اس میں ایک نظام ہے جس کی قدر نہیں کی جاتی۔ جب تک نظام اور ترتیب قرآنی کو مدنظر نہ رکھا جاوے اور اس پر پُورا غور نہ کیا جاوے۔ قرآن شریف کی تلاوت کے اغراض پُورے نہ ہوں گے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 428-429)

سامعین! صلوٰۃ یعنی نماز میں حال و قال کیفیات کو مدنظر رکھنے کی نصیحت۔ فرمایا:

"یاد رکھو! اِتّقا تین قسم کا ہوتا ہے۔ پہلی قسم اِتّقا کی علمی رنگ رکھتی ہے۔ یہ حالت ایمان کی صورت میں ہوتی ہے۔ دوسری قسم عملی رنگ رکھتی ہے۔ جیسا کہ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ میں فرمایا ہے۔ انسان کی وُہ نمازیں جو شبہات اور وساوس میں مبتلا ہیں۔ کھڑی نہیں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے يَقْرَءُوْنَ نہیں فرمایا بلکہ يُقِيْمُوْنَ فرمایا۔ یعنی جو حق ہے اُس کے ادا کرنے کا۔ سُنو! ہر ایک چیز کی ایک عِلّت غائی ہوتی ہے۔ اگر اُس سے رہ جاوے تو وُہ بے فائدہ ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک بَیل جو قلبہ رانی کے واسطے خریدا گیا اپنے منصب پر اُس وقت قائم سمجھا جاوے گا۔ جب وہ کر کے دکھاوے۔ لیکن اگر اس کی غرض و غایت کھانے پینے تک محدود رہے تو اپنی علّت غائی سے دُور ہے اور اس قابل ہے کہ اُس کو ذبح کیا جاوے۔ اسی طرح يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ میں لوازمُ الصلوٰۃ معراج ہے اور یہ وہ حالت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق شروع ہوتا ہے۔ مکاشفات اور رؤیاء صالحہ آتے ہیں۔ لوگوں سے انقطاع ہوتا جاتا ہے اور خدا کی طرف ایک تعلق پیدا ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ تبتّل تام ہو کر خدا میں جاملتا ہے۔

صَلّی جلنے کو کہتے ہیں جیسے کباب بُھونا جاتا ہے۔ اسی طرح نماز میں سوزش لازمی ہے۔ جب تک دل بِریان نہ ہو، نماز میں لذّت اور سرور پیدا نہیں ہوتا اور اصل تو یہ ہے کہ نماز ہی اپنے سچے معنوں میں اُس وقت ہوتی ہے۔ نماز میں شرط ہے کہ وہ بجمیع شرائط ادا ہو۔ جب تک وُہ ادا نہ ہو وُہ نماز نہیں ہوتی اور نہ وہ کیفیت جو صلوٰۃ میں میل نماز کی ہے حاصِل ہوتی ہے۔

یاد رکھو! صلوٰۃ میں حال اور قال دونوں کا جمع ہونا ضروری ہے۔ بعض وقت اعلام تصویری ہوتا ہے۔ ایسی تصویر دکھائی جاتی ہے جس سے دیکھنے والے کو پتہ مِلتا ہے کہ اُس کا منشاء یہ ہے۔ ایسا ہی صلوٰۃ میں منشائے الٰہی کی تصویر ہے۔ نماز میں جیسے زبان سے کچھ پڑھا جاتا ہے۔ ویسے ہی اعضاء و جوارح حرکات سے کچھ دکھایا بھی جاتا ہے۔ جب انسان کھڑا ہوتا ہے اور تحمید و تسبیح کرتا ہے۔ اُس کا نام قیام رکھا ہے۔ اب ہر ایک شخص جانتا ہے کہ حمد و ثناء کے مُناسب حال قیام ہی ہے۔ بادشاہوں کے سامنے جب قصائِد سنائے جاتے ہیں تو آخر کھڑے ہو کر ہی پیش کرتے ہیں۔ تو اِدھر ظاہری طور پر قیام رکھا ہے اور اُدھر زبان سے جو حمد و ثنا بھی رکھی ہے۔ مطلب اس کا یہی ہے کہ رُوحانی طور پر بھی اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہو۔ حمد ایک بات پر قائم ہو کر کی جاتی ہے۔ جو شخص مصدّق ہو کر کسی کی تعریف کرتا ہے تو وُہ ایک رائے پر قائم ہو جاتا ہے۔ اس اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنے والے کے واسطے یہ ضروری ہوا کہ وہ سچے طور پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اُسی وقت کہہ سکتا ہے کہ پُورے طور پر اس کو یقین ہو جائے کہ جمیع اقسام محامِد کے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔ جب یہ بات دل میں اِنشراح کے ساتھ پیدا ہو گئی تو یہ رُوحانی قیام ہے۔ کیونکہ دل اس پر قائم ہو جاتا ہے اور پھر سمجھا جاتا ہے کہ وُہ کھڑا ہے۔ حال کے موافق کھڑا ہو گیا۔ تا کہ رُوحانی قیام نصیب ہو۔ پھر رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہتا ہے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کسی کی عظمت مان لیتے ہیں تو اس کے حضور جُھکتے ہیں۔ عظمت کا تقاضا ہے کہ اس کے لئے رُکوع کرے۔ پس سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم زبان سے کہا اور حال سے جُھکنا دکھایا۔ یہ اُس قول کے ساتھ حال دکھایا۔ پھر تیسرا قول ہے۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی، اَعْلٰی، افعل تفضیل ہے۔ یہ بالذات سجدہ کو چاہتا ہے۔ اس لئے اُس کے ساتھ حالی تصویر سجدہ میں گرنا ہے۔ اس اقرار کے مناسب حال ہیئت فی الفور اختیار کر لی۔ اس قال کے ساتھ تین حال جسمانی ہیں۔ ایک تصویر اس کے آگے پیش کی گئی ہر ایک قسم کا قیام بھی کیا گیا ہے۔ زبان جو جسم کا ٹکڑا ہے۔ اُس نے بھی کہا اور وہ شامل ہو گئی۔

تیسری چیز اَور ہے وہ اگر شامل نہ ہو۔ تو نماز نہیں ہوتی۔ وُہ کیا ہے؟۔ وہ قلب ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ قلب کا قیام ہو اور اللہ تعالیٰ اِس پر نظر کر کے دیکھے کہ در حقیقت وہ حمد بھی کرتا ہے اور کھڑا بھی ہے اور رُوح بھی کھڑا ہوا حمد کرتا ہے۔ جسم ہی نہیں بلکہ رُوح بھی کھڑا ہے اور جب سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہتا ہے تو دیکھے کہ اتنا ہی نہیں کہ صرف عظمت کا اِقرار ہی کیا ہے۔ نہیں! بلکہ ساتھ ہی جُھکا بھی ہے اور اس کے ساتھ ہی رُوح بھی جُھک گیا ہے۔ پھر تیسری نظر میں خدا کے حضور سجدہ میں گرا ہے۔ اس کی علوّ شان کو ملاحظہ میں لا کر اُس کے ساتھ ہی دیکھے کہ رُوح بھی اُلوہیّت کے آستانہ پر گری ہوئی ہے۔ غرض یہ حالت جب تک پیدا نہ ہو لے۔ اُس وقت تک مطمئن نہ ہو کیونکہ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کے معنی یہی ہیں۔ اگر یہ سوال ہو کہ یہ حالت پیدا کیونکر ہو تو اس کا جواب اتنا ہی ہے کہ نماز پر مداومت کی جاوے اور وساوس اور شبہات سے پریشان نہ ہو۔ ابتدائی حالت میں شکوک و شبہات سے ایک جنگ ضرور ہوگی۔ اس کا علاج یہی ہے کہ نہ تھکنے والے استقلال اور صبر کے ساتھ لگا رہے اور خدا تعالیٰ سے دُعائیں مانگتا رہے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 432-435)

سامعین! حکّام اور برادری کے ساتھ حسن سلوک کے حوالہ سے یوں نصیحت فرمائی کہ:

"ہر ایک سے نیک سلوک کرو۔ حکّام کی اطاعت اور وفاداری ہر مُسلمان کا فرض ہے وہ ہماری حفاظت کرتے ہیں اور ہر قسم کی مذہبی آزادی ہمیں دے رکھی ہے۔ مَیں اِس کو بڑی بے ایمانی سمجھتا ہوں کہ گورنمنٹ کی اطاعت اور وفاداری سچّے دل سے نہ کی جائے۔ برادری کے حقُوق ہیں۔ اُن سے بھی نیک سلوک کرنا چاہئے۔ البتہ اُن باتوں میں جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے خلاف ہیں، اُن سے الگ رہنا چاہئے۔ ہمارا اصول تو یہ ہے کہ ہر ایک سے نیکی کرو اور خدا تعالیٰ کی کُل مخلوق سے احسان کرو۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 459-460)

پھر فرمایا۔

"میری تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی کو درد ہوتا ہو اور مَیں نماز میں مصروف ہُوں میرے کان میں اُس کی آواز پہنچ جائے تو مَیں تو یہ چاہتا ہوں کہ نماز توڑ کر بھی اگر اُس کو فائدہ پہنچا سکتا ہوں تو فائدہ پہنچاؤں اور جہاں تک ممکن ہے اُس سے ہمدردی کروں۔ یہ اخلاق کے خلاف ہے کہ کسی بھائی کی مصیبت اور تکلیف میں اس کا ساتھ نہ دیا جائے۔ اگر تم کچھ بھی اُس کے لئے نہیں کر سکتے تو کم از کم دُعا ہی کرو۔ اپنے تو در کنار، مَیں تو یہ کہتا ہوں کہ غیروں اور ہندوؤں کے ساتھ بھی اعلیٰ اخلاق کا نمونہ دکھاؤ اور اُن سے ہمدردی کرو۔ لاُاُبالی مزاج ہر گز نہیں ہونا چاہئے۔

ایک مرتبہ مَیں باہر سَیر کو جارہا تھا۔ ایک پٹواری عبد الکریم میرے ساتھ تھا وہ ذرا آگے تھا اور مَیں پیچھے۔ راستہ میں ایک بڑھیا کوئی 70، 75 برس کی ضعیفہ ملی۔ اُس نے ایک خط اُسے پڑھنے کو کہا۔ مگر اُس نے اُس کو جھڑکیاں دے کر ہٹادیا۔ میرے دل پر چوٹ سی لگی۔ اُس نے وہ خط مجھے دیا۔ مَیں اُس کو لے کر ٹھہر گیا اور اس کو پڑھ کر اچھی طرح سمجھادیا اِس پر پٹواری کو بہت شرمندہ ہونا پڑا۔ کیونکہ ٹھہرنا تو پڑا اور ثواب سے بھی محروم رہا۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 462۔463)

نسب اور ذات پات سے بچنے کی نصیحت۔ فرمایا

"اللہ تعالیٰ پوست کو پسند نہیں کرتا۔ وہ تو رُوحانیت اور مغز کو قبول کرتا ہے۔ اس لئے قرآن شریف میں فرمایا۔ لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی (الحج:38) اور دُوسری جگہ فرمایا۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (المائدہ: 28)۔ حقیقت میں یہ بڑی نازک جگہ ہے۔ یہاں پیغمبر زادگی بھی کام نہیں آسکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے بھی ایساہی فرمایا اور قرآن شریف میں بھی صاف الفاظ ہیں۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات:14)۔ یہودی بھی تو پیغمبر زادے ہیں۔ کیا صدہا پیغمبر اُن میں نہیں آئے تھے؟ مگر اس پیغمبر زادگی نے اُن کو کیا فائدہ پہنچایا۔ اگر اُن کے اعمال اچھے ہوتے تو وَضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ وَ الْمَسْکَنَۃُ (البقرہ:62) کے مصداق کیوں ہوتے۔ خدا تعالیٰ تو ایک پاک تبدیلی کو چاہتا ہے۔ بعض اوقات انسان کو تکبّر نسب بھی نیکیوں سے محروم کر دیتا ہے اور وُہ سمجھ لیتا ہے کہ مَیں اِسی سے نجات پاؤں گا جو بالکل خیالِ خام ہے۔ کبیر کہتا ہے کہ اچھا ہوا۔ ہم نے چماروں کے گھر جنم لیا۔ کبیر! اچھا ہوا ہم نیچے بھلے سب کو کریں سلام۔ خدا تعالیٰ، وفاداری اور صدق سے پیار کرتا ہے اور اعمال صالحہ کو چاہتا ہے۔ لاف و گزاف اُسے راضی نہیں کر سکتے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 460-461)

املا سے تحریر درست ہوتی ہے۔ اپنی غلطیاں نکالنے سے اخلاق درست ہوتے ہیں۔ فرمایا۔

"قرآن شریف میں آیا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا (الشمس:10)۔ اُس نے نجات پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔ تزکیہ نفس کے واسطے صُحبتِ صالحین اور نیکوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنا بہت مُفید ہے۔ جُھوٹ وغیرہ اخلاق رذیلہ دُور کرنے چاہئیں اور جو راہ پر چل رہا ہے۔ اُس سے راستہ پُوچھنا چاہئے۔ اپنی غلطیوں کو ساتھ ساتھ درست کرنا چاہئے۔ جیسا کہ غلطیاں نکالنے کے بغیر اِملا درست نہیں ہوتا۔ ویساہی غلطیاں نکالنے کے بغیر اخلاق بھی درست نہیں ہوتے۔ آدمی ایسا جانور ہے کہ اُس کا تزکیہ ساتھ ساتھ ہوتا رہے تو سیدھی راہ پر چلتا ہے ورنہ بہک جاتا ہے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 463)

اللہ تعالیٰ اِن نصائح کو حرزِ جان بنانے کی توفیق دے۔ آمین

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

✡✡✡✡